© rasailojaraid.com

چند سطریں لکھیں ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن، الدائرۃ الحمیدیۃ، سرائے میر، ۱۴۱۱ھ، ص ۲۴۰

(۲۵) کتاب العین، تحقیق مہدی مخزومی وابراہیم سامرائی دار الرشید للنشر بغداد ۱۹۸۲ جلد پنجم، صفحہ ۱۹۳

(۲۶) تہذیب اللغہ، تحقیق عبد السلام ہارون، الدار المصریہ للتالیف والترجمہ، قاہرہ، جلد ۹، ص ۲۴۳

(۲۷) مقاییس اللغہ، تحقیق عبد السلام ہارون، دار احیاء الکتب العربیہ، قاہرہ، ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۲ء، جلد سوم، ص ۴۳۳

(۲۸) الصحاح، تحقیق احمد عبد الغفور عطار، قاہرہ، ۱۴۰۲ھ، جلد چہارم، ص ۱۵۱۹

(۲۹) المحکم والمحیط الأعظم فی اللغہ، جلد ۶، تحقیق مراد کامل، معہد المخطوطات قاہرہ، ۱۳۹۲ھ، ص ۳۳۰

(۳۰) المصباح المنیر، المکتبۃ العلمیہ، بیروت، ص ۳۸۱

(۳۱) القاموس المحیط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۶ھ، ص ۱۱۶۹

(۳۲) تاج العروس، المطبعۃ الخیریۃ، ۱۳۰۷ھ، جلد ۶، ص ۴۲۷

(۳۳) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب احب الدین الی اللہ ادومہ، ص ۱۳

(۳۴) صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ، ص ۲۲۶

(۳۵) صحیح مسلم، شرح النووی، مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۷ھ، کتاب المسافرین، باب امر من نعس فی صلاتہ، جلد ۶، ص ۳۲۰۔۳۲۱

(۳۶) شرح الزرقانی علی الموطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۱ھ، جلد اول، ص ۳۴۸

(۳۷) صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب التنکیل لمن اکثر الوصال، ص ۳۸۸، صحیح مسلم، شرح النووی، کتاب الصیام، باب النہی عن الوصال فی الصوم، جلد ۷، ص ۲۲۰

(۳۸) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ "انا اعلمکم باللہ" ص ۸

(۳۹) صحیح مسلم، شرح النووی، جلد دوم، ص ۵۰۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴۰) صحیح مسلم، شرح نووی، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضیلۃ العمل الدائم من قیام الیل وغیرہ، جلد ۶، ص ۳۱۷۔۳۱۸

(۴۱) صحیح مسلم، شرح نووی، کتاب الایمان، باب اطعام المملوک ممایا کل...... جلد ۱۱، ص ۱۴۵

(۴۲) مرجع سابق، ص ۱۴۳

(۴۳) صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قصۃ البیعۃ، ص ۷۵۹

(۴۴) فتح الباری، ۷: ۶۱

(۴۵) یہی الفاظ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، ص ۶۱۹ میں بھی آئے ہیں

(۴۶) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، ص ۲۷۵

(۴۷) الموطا، شرح الزرقانی، ۴: ۵۱۲

(۴۸) سید صاحب مرحوم نے سیرت النبی (۵: ۱۵۸، مطبوعہ مکتبہ مدینہ، لاہور، ۱۴۰۸ھ) میں لکھا ہے "اصل یہ ہے کہ لفظ یطیقون کے لغوی معنی کی تحقیق نہیں کی گئی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ اطاقت کے معنی کسی کام کو مشکل کے ساتھ کر سکنے کے ہیں۔ اس لئے یطیقون کا ترجمہ یہ ہوگا کہ جو بمشکل روزے رکھ سکتے ہیں......"

واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر سید صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس میں علمی اعتبار سے متعدد کمزوریاں ہیں اور جہاں تک لفظ یطیقون کا تعلق ہے تو انھوں نے جس بات کو "تحقیق" کا نام دیا ہے وہ سراسر تحقیق کے خلاف ہے۔ جیسا کہ کہ اس مضمون سے ظاہر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تدبر قرآن میں ترجمہ و تفسیر سے متعلق بعض مباحث

نعیم الدین اصلاحی

اعظم گڑھ اسلامیان ہند کا وہ خطہ ہے جس کے مضافات کی بستیوں نے ایسے اصحاب فضل و کمال پیدا کئے جو آسمان علم و ادب پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ پھریہا، بندول، جیراج پور، چاند پٹی، علاؤالدین پٹی، مبارکپور، سیدھا سلطان پور، راجہ پور، سکرور وغیرہ گو عالم شہرت میں وہ مقام نہ حاصل کر سکے جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے تاہم ان کی خاک سے ایسے گوہر تابدار نکلے جن کی روشنی دور دور تک پہنچی انہی مردم خیز بستیوں میں ایک گمنام بستی بمہور بھی ہے جو علمی حیثیت سے ایک خاص مقام کی حامل ہے اسی بستی سے علامہ شبلی نعمانیؒ کے شاگرد اور ان کے علم کلام کے سچے جانشین اور ان کے طریقہ تدریس کے رمز شناس مولانا شبلی متکلم اور نامور عالم دین مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ (مولف مشکلات القرآن، اور قرآن مجید کا چیلنج) اٹھے۔ اور اسی بستی کے آب و گل سے مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا خمیر اٹھا جو مولانا فراہیؒ کے شاگرد خاص اور ان کے فکر کے شارح و ترجمان ہی نہیں بلکہ آگے چلکر بیسویں صدی میں فکر اسلامی کے بہت بڑے مبلغ داعی اور نقیب ثابت ہوئے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی شخصیت اور ان کے علمی دینی اور تحقیقی کارنامے بہت وقیع اور متنوع ہیں۔ ان کی کتابیں ان کی وسعت مطالعہ عالمانہ اور محققانہ ژرف نگاہی کا بین ثبوت ہیں۔ ان کی کئی کتابوں کی نظیر اردو ہی میں نہیں بلکہ دوسری زبانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بھی ملنی مشکل ہے۔ان کی تفسیر (تدبر قرآن) ایک شاہکار تفسیر ہے۔بلا شبہ اس سے پہلے بھی متعدد علماء نے تفسیر قرآن میں اصول نظم کو ملحوظ رکھا ہے۔لیکن مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے تدبر قرآن کی نو جلدوں میں فلسفہ نظم قرآن کو جس طرح ملحوظ رکھا اور برتا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے اور اس میدان میں ان کا کوئی ہمسر نظر نہیں آتا۔ مولانا فراہیؒ کے ساتھ پانچ سالہ قرآنی مذاکرات، مولانا کے اجزائے تفسیر کا عمیق مطالعہ، ترجمہ اور زبان و بیان کی غیر معمولی صلاحیت، مولانا فراہیؒ کے غیر مطبوعہ مسواوات کی نہایت دقیقہ رسی اور باریک بینی' سے مزاولت، ان ساری باتوں نے ان کے اندر قرآن فہمی کا نہایت اعلیٰ مذاق پیدا کر دیا چنانچہ انہوں نے تفسیر تدبر قرآن میں اپنے استاد مولانا فراہیؒ کا منہج اختیار کیا اور نہایت فراخدلی کے ساتھ استاد سے کسب فیض اور خوشہ چینی کا اعتراف بھی کیا۔

ان تمام خوبیوں اور ممیّزات کے باوجود جو تاریخ تفسیر میں 'تدبر قرآن' کو ایک منفرد اور ممتاز مقام عطا کرتی ہیں، دوسری تفاسیر کی طرح تفسیر تدبر قرآن بھی کلام الٰہی کو سمجھنے کی ایک انسانی کوشش ہے اور اس میں بھی غلطی کا احتمال اور امکان اسی طرح موجود ہے جس طرح بہتر سے بہتر اور کامیاب سے کامیاب انسانی کوششوں میں ہوتا ہے۔بڑی سے بڑی انسانی کاوش بھی کمیوں اور غلطیوں سے یکسر پاک نہیں ہو سکتی۔ آئندہ صفحات میں مولانا کے مقام و مرتبہ کے پورے احساس اور احترام کے ساتھ ہم ان کی بعض ان تفسیری آراء کا ذکر کریں گے جن کے بارے میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہاں ان سے چوک ہوئی ہے۔ وباللہ التوفیق

۱۔ سورہ بقرہ آیت ۴۹ وفی ذالکم بلاءٌ من ربکم عظیم کا ترجمہ مولانا نے اس طرح کیا ہے

"اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔"(۱)

اور آگے اس کی تشریح اس طرح فرمائی ہے "اس آزمائش کے کٹھن ہونے کی طرف یہاں اشارہ اس لئے فرمایا کہ اس نجات کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے جو انھیں حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئی کہ کیسا عظیم ابتلا تھا جس سے ان کے رب نے انھیں چھڑ ایا۔ (۲)

آگے چل کر یہی ٹکڑا سورہ اعراف : ۱۴۱ اور سورہ ابراہیم : ۶ میں بھی وارد ہوا ہے۔ ان دونوں مقامات پر "بلاء" کا ترجمہ آزمائش کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان تینوں مقامات پر لفظ 'بلا' کے ترجمہ میں مکمل یکسانیت ہے۔ لیکن سورہ دخان آیت : ۳۳ میں بھی یہ لفظ وارد ہوا ہے اور ٹھیک اسی سیاق میں استعمال ہوا ہے

'وآتینھم من الآیات مافیه بلاء مبین'

لیکن یہاں مولانا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے

"اور ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں کھلا ہوا انعام تھا۔" (۳)

اور پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے ہوئے فرماتے ہیں "بلاء" کے اصل معنی امتحان اور جانچ کے ہیں۔ لیکن امتحان نعمت کے ذریعہ سے بھی ہوتا ہے اور مصیبت کے ذریعہ سے بھی، نعمت کا امتحان شکر کی جانچ کے لئے ہوتا ہے اور مصیبت کا امتحان صبر و رضا کی جانچ کے لئے یہاں قرینہ دلیل ہے کہ یہ نعمت اور انعام کے مفہوم میں آیا ہے۔ جس طرح الانفال آیت : ۱۷ میں "بلاء" کا لفظ حسناً کی صفت کے ساتھ آیا ہے یہ اشارہ ان انعامات کی طرف ہے جو سمندر سے پار کراتے ہوئے اور اس کے بعد صحرا کی زندگی ہی اور فتح فلسطین اور اس کے بعد کے ادوار میں اللہ تعالیٰ نے گوناگوں مشکلوں میں بنی اسرائیل پر فرمائے جن کی تفصیلات سورہ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکی ہیں۔ (۴)

یہاں پر مولانا نے سورہ انفال آیت : ۱۷ کا حوالہ دیا ہے اور فرمایا ہے کہ دونوں جگہ "بلاء" ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ مولانا نے اس کا ترجمہ اور تشریح یوں فرمائی ہے :

"...... لیبلی المومنین منه بلاء حسناً" اور اپنی طرف سے اہل ایمان کے جوہر نمایاں کرے (۵) پھر تشریح میں فرماتے ہیں "ابلیٰ فلان فی الحرب بلاءً حسنا" کے معنی ہوں گے اس نے میدان جنگ میں خوب خوب اپنی بہادری کے جوہر دکھائے یہاں تک کہ سب نے اس کا لوہا مان لیا۔ ابلی اللہ عبادہ بلاءً حسناً کے معنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوں گے اللہ نے اپنے بندوں کے اچھے جوہر نمایاں کیے۔ (۶)

خلاصۂ کلام یہ کہ مولانا اصلاحی مرحوم نے لفظ "بلاء" کے مختلف مقامات پر تین مختلف معانی بیان کیے ہیں :

۱۔ آزمائش (بقرہ : ۴۹، اعراف : ۱۴۱، ابراہیم : ۶)

۲۔ جوہر نمایاں کرنا، (انفال : ۱۷)

۳۔ انعام، (دخان : ۳۲)

اس میں شک نہیں کہ سیاق و سباق اور قرائن و نظم کلام کی وجہ سے کوئی لفظ مختلف مقامات پر مختلف معانی میں استعمال ہو سکتا ہے اور قرآن مجید میں ایسے استعمال کی مثالیں بہت ہیں۔ لیکن لفظ بلاء کے محولہ بالا استعمال کے سلسلہ میں مشکل یہ ہے کہ یہ لفظ مختلف مقامات پر ایک ہی سیاق و سباق میں آیا ہے۔ لیکن اس کے معنی الگ الگ لئے گئے ہیں۔ سورہ بقرہ، اعراف اور ابراہیم میں تو 'بلاء' کا معنی آزمائش لیا گیا ہے اور اسی سیاق میں سورہ دخان میں بھی استعمال کیا گیا ہے لیکن وہاں انعام کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں دوسری چیز جو کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ مولانا نے سورہ دخان میں سورہ انفال آیت : ۱۷ کا حوالہ دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے "یہاں قرینہ دلیل ہے کہ نعمت اور انعام کے مفہوم میں ہے جس طرح انفال : ۱۷ میں 'بلاء' کا لفظ حسنا کی صفت کے ساتھ آیا ہے۔ حالانکہ سورہ انفال آیت : ۱۷ میں انعام کا ترجمہ نہیں بلکہ ایک تیسرا معنی اہل ایمان کے جوہر نمایاں کرے" کیا ہے۔ ظاہر ہے جوہر نمایاں کرنے اور انعام میں فرق ہے اور دونوں کو ایک نہیں کہا جا سکتا۔

بہر کیف "بلاء" کی تحقیق میں مولانا کی تحریر میں تضاد نظر آتا ہے اور یہ تضاد صرف اس شکل میں دور ہو سکتا ہے جب اس لفظ کی جو تحقیق مولانا نے سورہ دخان میں کی ہے اس کو اصل مان لیا جائے اور اسی کے مطابق مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ کیا جائے۔

مترجمین میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ نے "بلاء" کا ہر جگہ ترجمہ انعام یا اس کے کسی مترادف لفظ سے کیا ہے اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یہی ترجمہ موزوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مناسب ہے۔ ملاحظہ ہو :

وفی ذالکم بلاء من ربکم عظیم   سورہ بقرہ : ۴۹

"اس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی بڑی"

"   "   "   سورہ اعراف : ۱۴۱

"اور اس میں احسان ہے تمہارے رب کا بڑا"

"   "   "   سورہ ابراہیم : ۶

"اور اس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی بڑی"

"وآتینھم من الآیات مافیہ بلاء مبین" (سورہ دخان : ۳۳) "اور دیں ان کو نشانیاں جن میں تھیں صریح"

یہاں پر شاہ صاحب کے ترجمہ میں بلاء کا ترجمہ چھوٹ گیا ہے اغلب ہے کاتب کے سہو کا نتیجہ ہے۔

ولیبلی المومنین منہ بلاء حسنا (انفال : ۱۷)

"اور کیا چاہتا تھا ایمان والوں پر اپنی طرف سے احسان"

۲۔ مولانا سورہ بقرہ آیت : ۱۶۵ ولو یریٰ الذین الآیۃ .... کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں "یہاں عربی قاعدہ کے مطابق "لو" کا جواب حذف ہے اوران القوۃ للہ جمیعا اور اس کے بعد الفاظ اس محذوف جواب کی وضاحت کر رہے ہیں۔ پھر آگے مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ اس اسلوب کی مثال قرآن مجید میں بہت ہے ہم بقصد اختصار صرف ایک آیت پیش کرتے ہیں۔ ارشاد ہے :

ولو یعلم الذین کفروا حین لا یکفون عن وجوھھم النار ولا عن ظھورھم ولا ھم ینصرون "

اس آیت میں 'لو' کا جواب محذوف ہے (۷)

اس آیت کریمہ میں مولانا نے "لو" کا جواب محذوف بتایا ہے۔ اور اس کی نظیر میں سورہ انبیاء آیت : ۳۹ کو پیش فرمایا ہے اب سورہ انبیاء : ۳۹ کا ترجمہ تدبر میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملاحظہ فرمائیں :

"کاش یہ کفر کرنے والے جبکہ یہ عذاب نار کو نہ اپنے چہروں سے دفع کر سکیں گے نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان کی کسی طرف سے کوئی مدد ہو گی۔" (۸)

مزید تشریح اس طرح فرمائی ہے :

"یہ بانداز حسرت فرمایا کہ آج تو یہ اس ڈھٹائی کے ساتھ عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اس کے لئے جلدی مچائے ہوئے ہیں کاش یہ اس وقت کا بھی کچھ اندازہ کرپاتے" (۹)

سوال یہ ہے کہ اگر مولانا کے بقول سورہ انبیاء کی یہ آیت سوری بقرہ آیت : ۱۶۵ کی نظیر تھی اور "لو" کا جواب محذوف تھا تو پھر یہاں "لو" تمنائیہ نہیں ہو سکتا۔

۳۔ عام طور پر مفسرین کے درمیان سورہ یوسف آیت : ۱۵ فلما ذھبوا به واجمعوا ان یجعلوہ فی غیبت الجب واوحینا" (سورہ صافات : ۱۰۳۔۱۰۴) فلما اسلما وتله للجبین ونا دیناہ اور سورہ زمر (آیت : ۷۳) وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنة زمراً حتی ا ذا جاؤھا وفتحت ابوابھا "میں "لما" اور "اذا" کے جواب کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ایک رائے تو یہ ہے کہ واوحینا و نادینا اور وفتحت ہی جواب ہیں اور واؤ زائد ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ تینوں مقامات پر جواب محذوف ہے۔

تیسری رائے میں تینوں مقامات پر جواب کہیں موجود ہے کہیں محذوف۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے سورہ یوسف : ۱۵ میں لما کا جواب "قالوا انا ذھبنا نستبق "کو بتایا ہے۔

ان تینوں آیات میں "لما" اور "اذا" کے جواب کے سلسلے میں ممکن ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب یا دوسرے مفسرین عظام کی تاویل ہی درست ہو مگر یہاں پر ایک تیسری تاویل پیش کی جارہی ہے امید ہے اہل علم اس پر بھی غور فرمائیں گے۔

مولانا جلیل احسن صاحب ندویؒ نے متعلقہ آیات میں جواب شرط کی بابت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے زیر مطالعہ کتاب ''کتاب الازھیہ'' کے حاشیہ پر یہ عبارت تحریر فرمائی ہے

''قال الشیخ اختر احسن ھھنا جاءت الواؤ لا مر بلاغی وھو بیان اتصال زمانی جیسے انھوں نے کنوئیں میں ڈالنے کا فیصلہ کیا ویسے ہی ہم نے یوسف کو غیبی طور پر بتایا کہ ...... کذافی الصافات ۱۰۳۔۱۰۴ و الزمر : ۷۳۔ حاشیہ کتاب الازھیہ : ۲۴۳

ان تینوں آیات میں مذکورہ ''واؤ'' کے سلسلے میں مولانا اختر احسن اصلاحیؒ کے اس خیال کو میں نے مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کے سامنے پیش کیا مولانا نے اس خیال کی تحسین فرمائی مگر ساتھ ہی یہ تاکید فرمائی کہ اس کی نظیر تلاش کی جائے لیکن تلاش بسیار کے باوجود اس کی کوئی نظیر نہیں مل سکی۔ البتہ مولانا فراہی کی تفسیر سورہ ذاریات کے مطالعہ کے دوران ایک عبارت نظر آئی۔ اس پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ شاید یہیں سے مولانا اختر احسن اصلاحیؒ نے واؤ کو اتصال زمانی کے معنی میں لیا ہے۔

مولانا فراہیؒ فرماتے ہیں :

''وبالاسحار'' میں جو ''و'' ہے اس سے حضرت حسنؒ نے ایک لطیف نکتہ پیدا کیا ہے ان کے نزدیک یہ ''و'' متقین کی دونوں صفتوں کے اتصال کی دلیل ہے یعنی یہ متقین نمازیں ایسے مستغرق اور منہمک ہوتے ہیں کہ سحر کے استغفار کا وقت آجاتا ہے۔'' (۱۰)

مولانا اختر احسن صاحب کی اس رئے کی روشنی میں بقیہ دونوں آیات کا ترجمہ کچھ اس طرح ہوگا سورہ صافات آیات : ۱۰۳۔۱۰۴ (فلما اسلما وتله للجبین ونادینٰه ان یا ابراھیم)

''جب دونوں نے اپنے تئیں اپنے رب کے حوالہ کر دیا اور جیسے ہی ابراہیم نے اسے پچھاڑا ویسے ہی ہم نے ابراہیم کو آواز دی''

سورہ زمر آیت : ۷۳ وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنة زمرا حتی اذا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاء وھا وفتحت ابوابھا "اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے وہ گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے یہاں تک کہ جیسے ہی اس کے پاس آئیں گے ویسے ہی جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔"

مولانا امین احسنؒ اردو زبان وادب کے ادا شناس اور صاحب طرز انشا پرداز ہیں ان کا ترجمہ قرآن سلاست، روانی، شگفتگی اور برجستگی کا اعلیٰ نمونہ ہے اور کہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا کا ترجمہ قرآن تراجم قرآنی میں ایک نہایت ہی حسین اور دلکش اضافہ ہے مگر بعض مقامات پر یہ احساس ہوتا ہے کہ ترجمہ قرآن میں جس غیر معمولی احتیاط کی ضرورت تھی شاید تفسیر میں غیر معمولی انہماک کے باعث ہمیشہ اس کے تقاضے پورے نہیں ہو سکے ہیں۔

اس وقت اس پہلو سے تدبر قرآن کا کوئی مفصل جائزہ مقصود نہیں ہے صرف سورہ یوسف سے چند مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔

۱۔ تدبر قرآن میں سورہ یوسف آیت: ۳ ونحن نقص علیك احسن القصص کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

"ہم تمہیں ایک بہترین سرگزشت سناتے ہیں"

یہاں لفظ "ایک" غیر ضروری اضافہ ہے اس کی نہ تو ترجمہ کے لحاظ سے ضرورت تھی اور نہ ہی ترجمانی کے لحاظ سے۔ اگر اس کا ترجمہ "ہم تمہیں بہترین سرگزشت سناتے ہیں" سے کیا جاتا تو لفظ کی رعایت بھی ہو جاتی اور عبارت کی سلاست اور روانی میں بھی کچھ فرق نہ پڑتا۔ حالانکہ خود مولانا نے آگے چل کر آیت کی تشریح کے درمیان جو ترجمہ فرمایا اس میں "ایک" کا اضافہ نہیں ہے مولانا نے تشریح میں فرمایا ہے "ہمارے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تمہیں بہترین قصہ سناتے ہیں۔" یہی ترجمہ متن میں بھی ہونا چاہئے تھا۔

۲۔ واللہ المستعان علی ما تصفون، سورہ یوسف آیت: ۱۸ کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے "اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس میں خدا ہی سہارا ہے۔" (۱۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وصف قرآن مجید میں مطلق بیان کرنے کے معنی میں نہیں آیا ہے جیسا کہ مولانا نے ترجمہ فرمایا ہے بلکہ قرآن مجید نے اس لفظ کو ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہے اور وہ ہے غلط بیانی اور "دروغ گوئی کا معنی" قرآن مجید نے تقریباً چودہ مقامات پر یہ لفظ استعمال کیا ہے اور ہر جگہ افترا پردازی، غلط بیانی ار دروغ گوئی کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اس کا ترجمہ یوں ہونا چاہئیے "اور جو تم دروغ گوئی کر رہے ہو اس میں خدا ہی سہارا ہے۔"

۳۔ سورہ یوسف: ۱۲"ارسله معنا غدا يرتع ويلعب "کا ترجمہ کیا گیا ہے:

"کل اس کو ہمارے ساتھ جانے دیجئے ذرا چرے چگے اور کھیلے کودے" (۱۲)

یرتع کا ترجمہ "ذرا چرے چگے" صحیح نہیں ہے اس ترجمہ سے یرتع کے معنی میں قلت کا مفہوم متبادر ہوتا ہے جبکہ اس کے اندر قلت کا مفہوم نہیں بلکہ وسعت و فراوانی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ مختار الصحاح میں اس لفظ کا معنی دیا گیا ہے "رتعت الماشية اكلت ما شاء ت و يقال خرجنا نلعب ونرتع اى ننعم ونلهو" (۱۳)

اقرب الموارد میں ہے:

رتعت الماشية فى المكان: رتعاً و رتوعاً ورتاعاً: اكلت وشربت ماشاء الله فى خصبٍ وسعةٍ والقوم اكلوا ماشاء وافى رغد

زمحشریؒ نے اس لفظ کے تحت لکھا ہے: اصل الرتعه "الخصب والسعة اور اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے "نرتع" نتسع فى اكل الفوكه (۱۴)

اس آیت کا صحیح ترجمہ ہوگا "کل اس کو ہمارے ساتھ جانے دیجئے تاکہ خوب خوب کھائے پیئے اور کھیلے"

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا ترجمہ ہے:

"بفرست اورا باما فردا تا میوہ بسیار خورد"

۲۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"بھیجدے اس کو ساتھ ہمارے کل کو شکم سیر کھاوے"

۳۔ حضرت مولانا فتح محمد خاں صاحب

"کل اسے ہمارے ساتھ بھیجد یجئے کہ خوب میوہ کھائے"

۴۔ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب

"بھیج اس کو ہمارے ساتھ کل کہ خوب کھائے اور کھیلے"

۵۔ مولانا محمد جونا گڑھی صاحب

"کل اسے ضرور ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ خوب کھائے پیئے اور کھیلے"

مذکورہ ترجموں میں لفظ یرتع کی پوری رعایت کی گئی ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے علاوہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ، ڈپٹی نذیر احمدؒ، مولانا تھانویؒ اور مولانا مودودیؒ نے بھی مولانا امین احسنؒ سے ملتا جلتا ترجمہ کیا ہے۔ خود مولانا اصلاحی کے ذہن میں بھی بظاہر وہی مفہوم ہے جو حضرت شاہ رفیع الدینؒ وغیرہ نے لیا ہے۔ چنانچہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یرتع ویلعب کا لغوی مفہوم تو یہ ہے کہ ذرا چرے چگے اور کھیلے کودے لیکن یہ نہایت دلکش تعبیر ہے پکنک منانے کی...... پھر ان کے سامنے اپنا پکنک کا پروگرام پیش کیا کہ کل ہم نے تفریح کا پروگرام بنایا ہے۔ (۱۵) یہ بات محتاج بیان نہیں کہ پکنک اور تفریح میں کثرت اور فراوانی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

۴۔ یوسف: ۳۱ وقطّعن ایدیھن کا ترجمہ کیا گیا ہے "اور انھوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے" (۱۶)

مولانا نے تقطیع کے معنی "زخمی کرنے" کے لئے ہیں حالانکہ لغت میں اس کا معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا آتا ہے اور باب تفعیل سے لایا ہی اس لئے گیا ہے کہ اس میں مبالغہ پیدا ہو۔

اقرب الموارد میں ہے:

قطّعه: قَطّعه قطعة قطعة، شدد لتكثير اس کا صحیح ترجمہ وہی ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے مترجمین نے کیا ہے :

۱۔	وبریدن دست خویش	چہار ترجمہ قرآن مجید
۲۔	اور کاٹ ڈالے ہاتھ اپنے	شاہ رفیع الدینؒ
۳۔	اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ	شاہ عبدالقادرؒ
۴۔	اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے	فتح محمد خاںؒ
۵۔	اپنے ہاتھ کاٹ لئے	مولانا تھانویؒ

پھر مولاناؒ نے تدبر قرآن میں قطعن ایدیھن کی جو تشریح فرمائی ہے وہ بظاہر الفاظ قرآنی سے میل نہیں کھاتی۔

۵۔ یا صاحبی السجن کا ٹکڑا سورہ یوسف میں دو جگہ آیا ہے۔ آیت: ۳۹ اور ۴۱ میں۔ ایک جگہ مولانا نے ترجمہ فرمایا ہے "اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو!" دوسری جگہ ترجمہ فرمایا ہے "اے میرے زنداں کے دونوں ساتھیو!" اس ٹکڑے کے ترجمے میں مولانا نے دونوں جگہ "میرے" کا اضافہ فرمایا ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں تھی۔ غالباً یہ اشکال اس لئے پیش آیا کہ "یاصاحبی" میں جو "ی" ہے اسے انھوں نے یائے متکلم سمجھ لیا حالانکہ دونوں جگہ یائے متکلم نہیں بلکہ "ی" تثنیہ ہے اور دونوں جگہ اسم فاعل اپنے ظرف کی جانب مضاف ہو کر آیا ہے۔

آخر میں کچھ ایسی مثالیں درج کر رہا ہوں جن کا تعلق ترجمہ و تفسیر قرآن دونوں سے ہے۔

۱۔ سورہ یوسف آیت: ۴ یا ابت انی رأیت احد عشر کوکبا و الشمس والقمر رأیتھم لی ساجدین کا ترجمہ تدبر قرآن میں یہ ہے :

"ابا جان میں نے خواب میں گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے میں نے ان کو دیکھا کہ وہ میرے آگے سربسجود ہیں۔" (۱۷)

اس آیت کریمہ میں فعل رأیت (رایتھم لی ساجدین) کا کیوں اعادہ ہوا ہے اس کی بلاغت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"آیت کے الفاظ پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان کی طبیعت کے اندر جو تواضع تھی وہ خواب کو پیش کرنے کے انداز میں بھی نمایاں ہے۔ حضرت یعقوب کے سامنے جاتے ہی بے دھڑک یوں نہیں کہدیا کہ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو اپنے سامنے سر بسجود دیکھا بلکہ خواب کا ابتدائی حصہ کہ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو دیکھا کہہ کر ٹھٹھک گئے اس لئے کہ آگے کی بات میں ان کی بڑائی نمایاں تھی جس کے اظہار سے ان کی متواضع طبیعت جھجکتی تھی لیکن چونکہ اظہار ضروری تھا اس وجہ سے ذرا توقف کے بعد فرمایا کہ "رأیتھم لی ساجدین" میں نے ان کو دیکھا کہ وہ میرے لئے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں۔ عربیت کا ذوق رکھنے والے اندازہ کر سکتے ہیں کہ فعل رأیت کے اعادہ میں یہ بلاغت ہے کہ اس میں رویا کے بیان کرتے وقت خاص کر واقعہ سجدہ کے بیان کرتے وقت حضرت یوسفؑ پر جو جھجک طاری رہی ہے وہ واضح ہے۔ (۱۸)

مولانا نے "رأیت" کے اعادہ کی جو توجیہ فرمائی ہے وہ یقیناً ان کی ندرت، افکار اور نکتہ شناسی کی آئینہ دار ہے لیکن عام مفسرین کرام کی طرح ان کا حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین ۔سورج اور چاند۔ کو بھی سجدہ گذاروں میں شامل فرمانا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا اور سورہ یوسف ہی کی آیت: ۱۰۰ 'ورفع ابویہ علی العرش وخروا لہ سجدا' سے بظاہر مطابقت نہیں رکھتا۔ 'ورفع ابویہ علی العرش' کا قرینہ تو صاف بتا رہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو عرش پر اپنے دائیں اور بائیں نہایت عزت واحترام کے ساتھ بٹھایا ہے اور ان کے تمام بھائی عام لوگوں کی طرح سامنے فرش پر ہیں اور تعظیماً حضرت یوسف کے سارے بھائی ان کے سامنے جھک گئے۔

یہاں قابل غور پہلو یہ بھی ہے کہ یہاں دو فعل استعمال ہوئے ہیں ایک 'رفع' اور دوسرا 'خر' دونوں میں ضدین کی نسبت ہے اگر 'رفع' عزت، عظمت وبلندی کا نشان ہے تو 'خر' خاکساری، تواضع اور پستی کی علامت ہے۔ 'رفع' کا اثر والدین پر براہ راست پڑ رہا ہے اس لئے مناسب ہے کہ "خروا" کی ضمیر صرف برادران یوسف ہی کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو ثابت ہو جائے۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یوسفؑ کے سامنے تعظیماً جھکنے والوں میں حضرت یعقوبؑ اور ان کی اہلیہ محترمہ شامل نہیں ہیں اور ظاہر ہے ایسا ہونا ممکن نہیں تھا اس لئے کہ حضرت یعقوبؑ صرف حضرت یوسفؑ کے والد ماجد ہی نہیں ہیں بلکہ حضرت اسحقؑ کے بیٹے، حضرت ابراہیمؑ کے پوتے اور مصر کے فرمانروا اور پیغمبر حضرت یوسفؑ کے والد اور خود بھی پیغمبر تھے۔ لیکن یہ سوال ہنوز تشنۂ جواب ہے کہ 'رأیتھم' کا اعادہ کیوں ہوا اور اس کا مقصد کیا ہے۔ اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہاں والشمس والقمر میں 'و' کو عاطفہ کے بجائے 'و' معیت کا لیا جائے۔ زمخشری نے لکھا ہے "ویجوز ان تکون الواو بمعنی مع" (۱۹)

نیز یہ قاعدہ معروف و متداول ہے کہ "و" معیت کے بعد آنے والا اسم منصوب ہوتا ہے اور چونکہ والشمس والقمر نے فعل اور حال کے درمیان فصل اور دوری پیدا کر دی تھی اس لئے فعل کی تکرار مستحسن ٹھہری۔

کشاف کے محشی نے لکھا ہے "قال احمد واحسن من ذلك ان الکلام طال بین الفعل والحال فطری ذکر الفعل لمنا سبة الحال" (۲۰)

اب اس کی روشنی میں آیت کا ترجمہ یہ ہوگا:

"ابا جان میں نے گیارہ ستاروں کو دیکھا ہے کہ سورج اور چاند کی موجودگی میں مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔"

۲۔ سورہ یوسف آیت: ۹ (اقتلو ایوسف اواطرحوہ) کا ترجمہ تدبر میں اس طرح کیا گیا ہے:

"یوسف کو قتل کرو یا کہیں پھینک دو۔"

عام طور پر اردو مترجمین نے 'او' کو 'یا' کے معنی میں لیا ہے اور قرآن مجید میں جہاں بھی 'او' کا استعمال ہوا ہے وہاں عام طور پر مترجمین 'یا' ہی کا ترجمہ فرماتے ہیں۔ حالانکہ 'او' جس طرح 'یا' کے معنی میں آتا ہے اس طرح "اور" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے او بمعنی واو کی صراحت لغت اور نحو کی تمام ہی معتبر کتابوں میں ملتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"مغنی اللبیب" میں کلام عرب سے کئی مثالیں دی گئیں ہیں ایک حماسی شاعر نے بھی 'او' کو 'واو' کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

لولجأ العافی الی رحل سائب
ثوی غیر قال اوغداغیر خائب

دیوان الحماسۃ کے مشہور شارح خطیب تبریزی نے اس شعر کی شرح میں لکھا ہے:

"او غدا" قالو یرید "وغدا" واوبمعنی الواو کثیر"(۲۱)

کتاب الازھیہ کے مصنف علی ابن محمد نحوی ہروی نے 'او' کی بحث میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ "وھو کثیر فی القرآن" قرآن مجید میں 'او' 'واو' کے معنی میں کثرت سے استعمال ہوا ہے اور اس کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں (۲۲) مثلاً سورہ نور آیات ۳۱ اور ۶۱، سورہ مرسلات آیت ۶، سورہ طہٰ آیات ۴۴ اور ۱۱۳، سورہ بقرہ آیت ۱۹ اور سورہ سبا آیت ۲۴۔

"او" بمعنی "یا" کی صورت میں ایک بڑا اشکال یہ پیش آتا ہے کہ اگر حضرت یوسفؑ کو کسی دور دراز مقام پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ اتنے باشعور ہو چکے تھے کہ کسی نہ کسی طرح وہ گھر واپس آسکتے تھے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ برادران یوسف کو شام تک ہی اپنے والد کے پاس واپس آجانا تھا۔

یہاں ایک دوسرا پہلو بھی ہے جو نہایت قابل غور ہے وہ یہ کہ کیا "طرح" کا معنی صرف کسی جاندار عاقل کو چھوڑ آنا ہے یا کسی حقیر، گری پڑی چیز کو کوڑا کرکٹ سمجھ کر پھینک دینے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ لغات کے سرسری جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرا معنی بھی غیر معروف نہیں ہے۔

طرح الشیئی بالشئی :رماہ(۲۳)

طرحہ من یدہ ۔۔۔وبہ:رماہ وقذفہ "اقرب الموارد" پھینکنا، ڈالنا

طرحت الانثی:القت الجنین قبل کمالہ "اقرب الموارد" حاملہ عورت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناتمام بچہ گرادینا

الطرح: الشیئی المطروح لاحاجة لاحدفیه "لسان العرب" مادة طرح" ناقابل التفات حقیر شئ

الطرح: المطروح ومنه یقال للجنین الذی طرحته امه قبل کماله (۲۴) ڈالا ہوا پھینکا ہوا، ناتمام بچہ

لغت کے اس سرسری جائزہ کی روشنی میں آیت کریمہ کا ترجمہ ہوگا:

قتل کرو یوسف کو اور اس کی لاش کو کہیں دور دراز سنسان علاقہ میں پھینک آؤ،

اس ترجمہ کی صورت میں پوری آیت مربوط سیاق وسباق سے ہم آہنگ اور قاتلوں کے مزاج اور ان کی نفسیات کے عین مطابق ہوگی اور اس طرح اس آیت میں دو اختیاری تجویزیں نہیں پیش کی گئی ہیں بلکہ "اواطرحوہ" پہلی ہی تجویز کا ایک ضروری حصہ ہے۔ "او" بمعنی "واو" کی مثال خود اسی سورہ میں ایک جگہ اور بھی ہے اہل علم اس پر بھی غور فرمائیں:

قالوا تاالله تفتأ تذکر یوسف حتی تکون حرضاً أوتکون من الهالکین (یوسف: ۸۵) ترجمہ تدبر یہ ہے وہ بولے کہ بخدا آپ یوسف ہی کی یاد میں رہیں گے یہاں تک کہ ازکار رفتہ ہو کے رہ جائیں گے یا ہلاک ہی ہو جائیں گے۔ (۲۵) یہاں بھی مولانا اور دوسرے مترجمین نے "او" کو "یا" کے معنی میں لیا ہے اور دونوں مصیبتوں میں سے کسی ایک کو مراد لیا ہے ازکار رفتہ ہو جائیں گے یا ہلاک ہو جائیں گے۔

"او" کو "واو" کے معنی میں لینے کی شکل میں دونوں مطلوب ہوں گے۔ ترجمہ ہوگا "آپ یوسف ہی کی یاد میں رہیں گے یہاں تک کہ یوسف کے غم میں آپ نڈھال ہو جائیں گے اور ہلاک ہو جائیں گے" حرض حرضاً کے معنی میں آتا ہے۔

"اشرف علی الهلاك فهو حرض تسمیة بالمصدر مبالغة" (۲۶)

حرض کے معنی نہایت ہی کمزور وناتواں اور نڈھال ہونے کے آتے ہیں اور ہلاکت اسی کے تدریجی عمل کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح قرآن مجید میں اور بہت سی مثالیں ہیں جہاں "او" واو کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اہل علم کے غور و فکر کے لئے کچھ مثالیں یہاں درج کی جا رہی ہیں :

۱۔ لعلی آتیکم منھا بقبس او اجد علی النار ھدی طٰہٰ آیت :۱۰

۲۔ لعله یذکر او یخشیٰ طٰہٰ آیت : ۴۴

۳۔ اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغیٰ طٰہٰ آیت : ۴۵

۴۔ لعله یزکیٰ او یذکر فتنفع الذکریٰ عبس آیت : ۴

۵۔ لاتطع منھم آثما او کفوراً دہر آیت : ۲۴

ان تمام ہی آیات میں او بمعنی واو استعمال ہوا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کا یہ ہر گز مقصود نہیں کہ میں آگ لاؤں گا یا راستہ معلوم کروں گا بلکہ ان کے نزدیک یہ دونوں ہی مطلوب و مقصود ہیں۔

لعله یذکر او یخشیٰ کا یہ مطلب نہیں کہ فرعون کے پاس جاؤ اور نرم گفتگو کرو تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اس میں خشیت پیدا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں ہی تذکر و خشیت بیک وقت مطلوب ہیں۔ باقی مثالوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔

تفسیر تدبر قرآن سے یہ چند مثالیں پیش کی گئیں جہاں ایسا محسوس ہوا ہے کہ آیات کے ترجمہ اور تفسیر میں مولانا سے تسامح ہوا ہے اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ کلام الٰہی کے مفہوم و منشا تک رسائی کی عظیم ترین انسانی کوششیں بھی کمی سے یکسر پاک نہیں ہو سکتیں۔ اعلیٰ ترین انسانی دماغ بھی ہمیشہ یکساں طور پر مستعد اور بیدار نہیں رہتا۔ یہ حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ اس لئے یہ اور اس نوع کے دوسرے تسامحات سے تدبر قرآن کی اہمیت، افادیت اور مقام و مرتبہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی بحیثیت ایک عظیم مفسر مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے اکتسابات پر حرف آتا ہے۔

© rasailojaraid.com